Special Edition ********* اشاعت خاص

ہفت روزہ
اسلام آباد، نیویارک، واشنگٹن، شکاگو، میامی، ہیوسٹن
صدائے پاکستان انٹرنیشنل
WEEKLY SADA-E-PAKISTAN International
Ph: 718-859-1847, Fax: 718-859-1428
E-mail: sadaepakis@aol.com
پبلشر: حسن چغتائی

Issue No. Vol.07 | 01 | Jan 05 - Jan 11, 2006 | Subscription Rate $3:00

جاگیردارانہ نظام کی موجودگی میں جمہوریت کی بات خود کو دھوکہ دینے والی بات ہے

جمہوریت خاندان کی نہیں عوام کی نمائندگی کا نام ہے

پاکستان کی دونوں بڑی جماعتیں مارشل لاء کی گود سے پیدا ہوئیں

پاکستان میں ایسٹبلشمنٹ، جاگیردار اور ملا پہ مشتمل ٹرائیکا کی حکومت ہے

امریکہ پاکستان میں جمہوری قوتوں کو سپورٹ کرے

متحدہ قومی موومنٹ نارتھ امریکہ کے کیئر ٹیکر و سابق رکن قومی اسمبلی ڈاکٹر خالد مقبول صدیقی سے خصوصی انٹرویو

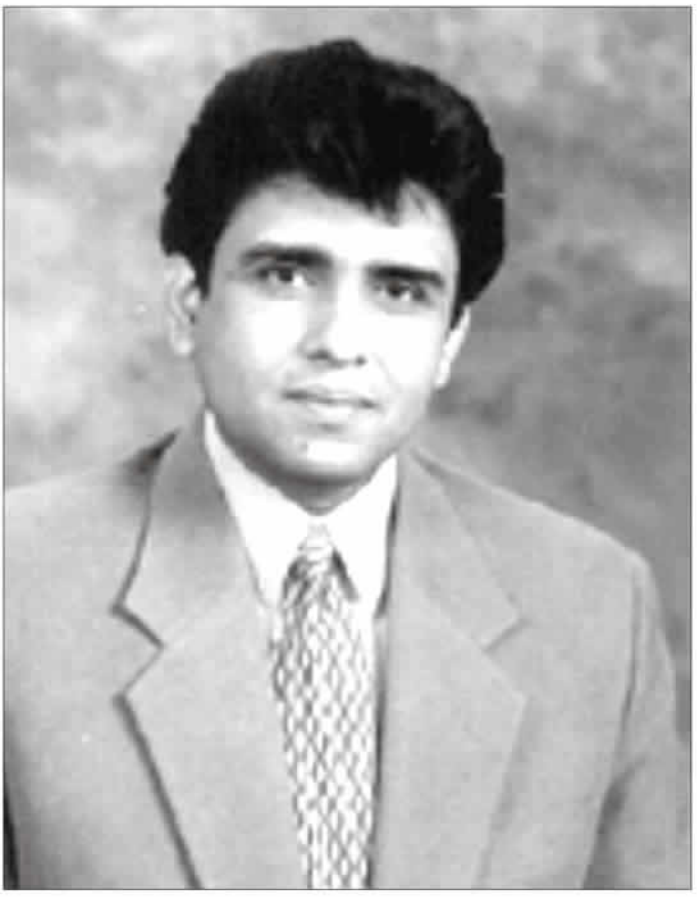

انٹرویو: طارق صدیقی
(ہیومن رائٹس ایکٹوسٹ و نمائندہ خصوصی صدائے پاکستان)

طارق صدیقی: آپکی نظر میں پاکستان کی سیاست عوامی قدریں پوری کررہی ہے یا نہیں اگر نہیں تو اسکی کیا وجوہات ہیں.....؟

خالد مقبول صدیقی: بنیادی طور پر ہم دھوکے کا شکار ہوگئے ۔اگر ہم پورے پس منظر کو سامنے رکھیں، جس ملک میں جاگیردارانہ نظام ہو وہاں پر دوسرے نظام کی بات کرنا، اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ جس ملک میں جاگیردارانہ نظام ہو اور آپ وہاں جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو اپنے آپکو دھوکہ دے رہے ہیں۔ جس ملک میں جاگیردارانہ نظام ہو اور آپ کہتے ہیں کہ تعلیمی معیار بہتر ہوگا یا تعلیم فروغ پائے گی تو کہیں کہ آپ اپنے آپکو دھوکہ دے رہے ہیں۔ جاگیردارانہ نظام ہو اور یہ توقع کرنا کہ ایسی ترقی ہوگی کہ جس سے عام آدمی کو فائدہ ہوگا تو یہ بھی خود کو فریب میں مبتلا کرنے والی بات ہے۔ جب اپنے دھوکے کی حالت میں رہ کر ہم کسی بھی سیاسی نظام یا سیاسی گٹھ جوڑ کو تشکیل دینے کی بات کرتے ہیں تو ہم جھوٹی دنیا میں رہ رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان میں جو جمہوریت ہے اسکی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ بس ایک ہوا میں ساری باتیں ہیں۔

آپ کا سوال تھا عوامی قدریں پوری کررہی ہے کہ نہیں۔ جس گٹھ جوڑ میں عوام ہی کی کوئی قدر نہ ہو تو اقتدار کی کیا باتیں کریں گے۔

طارق صدیقی:۔ آپکے اس جواب سے ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر عوامی قدریں کب پوری ہونگی.....؟

خالد مقبول صدیقی:۔ اسکا تفصیلی جواب یہ کہ پاکستان میں اس وقت دو بڑی سیاسی جماعتیں ہیں ایک مسلم لیگ اور دوسری پی پی پی۔ مسلم لیگ کی بھی کئی شاخیں ہیں۔ بہرحال مسلم لیگ کسی نہ کسی نام کے ساتھ موجود ہے۔ دوسری ہے پیپلز پارٹی، اب انکا بھی یہی منظر دیکھنا ہے کہ یہ کتنی عوامی سیاسی جماعتیں ہیں کتنی عوامی اقدار کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور یہ سیاسی جماعتیں کبھی کن کن نیمز اسلم لیگ جو کہ مختلف شکلیں بدلتے بدلتے اب مسلم لیگ (ق) کہلاتی ہے۔ کل یہ مسلم لیگ (ن) تھی، ق، ن، کی ہی شاخ ہے۔ یہ بنیادی طور پر وہ مسلم لیگ ہے جو 1985,1984 کے ہونے والے غیر جماعتی الیکشن کی بنیاد کے معرض وجود میں آنیوالی اسمبلیوں میں تشکیل دی گئی تھی۔ اب سوچنے کس قدر سیاسی نفاق ہے کہ ایک الیکشن تو ہوا غیر جماعتی بنیاد پر، کوئی سیاسی پیغام کوئی سیاسی منشور پیش نہیں کیا گیا۔ ہو ۔ ان الیکشن میں ایک فرد کھڑا ہوا اور اپنی بنیاد پر اس نے ووٹ حاصل کئے۔ اس اسمبلی سے جو مسلم لیگ پیدا ہوئی ہے وہ وجود میں لائی گئی ہے۔ وہ کس طرح کی عوامی جماعت ہوسکتی ہے؟ اور پھر اس کے لیڈران جو پیدا ہوئے خود میاں نواز شریف صاحب وہ کوئی سیاسی جماعت کے ورکر تو نہ تھے۔ کسی سیاسی جماعت میں شامل ہونے سے پہلے وہ مارشل لا کی فوجی حکومت میں شامل کور کمانڈر جنرل بیلنی کی نظر کرم سے حکومت میں آئے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ پیداوار ہی مارشل لاء کے تھے۔ اگلا سارا قدو قامت مارشل لاء اور فوجی حکمرانوں، فوجی خاندانوں، جی ایچ کیو کے مرہون منت تھا۔

اب آتے ہیں پیپلز پارٹی کی طرف۔ کیا بھٹو صاحب بھی کسی جماعت کے ورکر تھے؟ نہیں بھٹو صاحب ایک جاگیردار خاندان کے فرزند تھے۔ باہر سے تعلیم حاصل کرکے آئے اور آتے ہوا یہ خان کے مارشل لاء میں براہ راست وزیر بنے۔

"ڈائریکٹ انٹری" ہوتی ہے اگلی ساری سیاسی شخصیت اور سیاسی شہرت قد و قامت مارشل لاء دور کی ہے۔

دونوں حضرات کی مثال میں اس طرح دونگا کہ وہ فوجی ڈکٹیٹروں کے بہت قریب رہے۔ بھٹو، لیفٹیننٹ مارشل ایوب خان کو ڈیڈی کہتے تھے۔ اس حد تک آپ سب کو پتہ ہوگا۔ جس وقت پاکستان کے اندر تمام سیاسی قوتیں مل کر پاکستان حضرت قائداعظم کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کو سپورٹ کر رہی تھیں، اس وقت بھٹو صاحب، ایوب خان کی سیاسی الیکشن مہم کے انچارج تھے اور اس دھاندلی میں سارا دماغ بھٹو صاحب کا استعمال ہوا تھا۔ ہم اپنے آپکو کس طرح کس طرح دھوکہ دے سکتے ہیں کہ یہ کہیں کہ پیپلز پارٹی

ہفت روزہ صدائے پاکستان انٹرنیشنل
WEEKLY SADA-E-PAKISTAN International
Ph: 718-859-1847, Fax: 718-859-1428
E-mail: sadaepakis@aol.com
پبلشر: حسن چغتائی

Issue No. Vol.07 | 01 | Jan 05 - Jan 11, 2006 | Subscription Rate $3:00

ڈاکٹر خالد مقبول صدیقی سابق تنظیم پرست رکن قومی اسمبلی اور چیئرمین آل پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن رہے ہیں۔ آجکل امریکہ میں مقیم ہیں اور ان کے پاس متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) نارتھ امریکہ کے کئی ممبر کی ذمہ داری ہے۔ ملک و قوم کے معاملات اور سیاسی امور پہ گہری نظر اور سوجھ رکھتے ہیں۔

ہفت روزہ صدائے پاکستان نے ان سے اہم قومی و سیاسی امور پہ خصوصی بات چیت کی جو قارئین کی نذر ہے

طارق صدیقی:۔ آپکی پارٹی کا سیاسی جماعت بننے کا سوال تھا عوامی قدریں پوری کررہی ہے کہ نہیں۔ جس گٹھ جوڑ میں عوام ہی کی کوئی قدر نہ ہو تو اقتدار کی کیا باتیں کریں گے۔

طارق صدیقی:۔ آپکے اس جواب سے ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر عوامی قدریں کب پوری ہونگی.....؟

خالد مقبول صدیقی:۔ اسکا تفصیلی جواب یہ کہ پاکستان میں اس وقت دو بڑی سیاسی جماعتیں ہیں ایک مسلم لیگ اور دوسری پی پی پی۔ مسلم لیگ کی بھی کئی شاخیں ہیں۔ بہرحال مسلم لیگ کسی نہ کسی نام کے ساتھ موجود ہے۔ دوسری ہے پیپلز پارٹی، اب انکا بھی یہی منظر دیکھنا ہے کہ یہ کتنی عوامی سیاسی جماعتیں ہیں کتنی عوامی اقدار کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور یہ سیاسی جماعتیں کبھی کن کن نیمز اسلم لیگ جو کہ مختلف شکلیں بدلتے بدلتے اب مسلم لیگ (ق) کہلاتی ہے۔ کل یہ مسلم لیگ (ن) تھی، ق، ن، کی ہی شاخ ہے۔ یہ بنیادی طور پر وہ مسلم لیگ ہے جو 1985,1984 کے ہونے والے غیر جماعتی الیکشن کی بنیاد پر معرض وجود میں آنیوالی اسمبلیوں میں تشکیل دی گئی تھی۔ اب سوچنے کس قدر سیاسی نفاق ہے کہ ایک الیکشن تو ہوا غیر جماعتی بنیاد پر، کوئی سیاسی پیغام کوئی سیاسی منشور پیش نہیں کیا گیا۔ ہو ۔ ان الیکشن میں ایک فرد کھڑا ہوا اور اپنی بنیاد پر اس نے ووٹ حاصل کئے۔ اس اسمبلی سے جو مسلم لیگ پیدا ہوئی ہے وہ وجود میں لائی گئی ہے۔ وہ کس طرح کی عوامی جماعت ہوسکتی ہے؟ اور پھر اس کے لیڈران جو پیدا ہوئے خود میاں نواز شریف صاحب وہ کوئی سیاسی جماعت کے ورکر تو نہ تھے۔ کسی سیاسی جماعت میں شامل ہونے سے پہلے وہ مارشل لا کی فوجی حکومت میں شامل کور کمانڈر جنرل بیلنی کی نظر کرم سے حکومت میں آئے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ پیداوار ہی مارشل لاء کے تھے۔ اگلا سارا قدو قامت مارشل لاء اور فوجی حکمرانوں، فوجی خاندانوں، جی ایچ کیو کے مرہون منت تھا۔

اب آتے ہیں پیپلز پارٹی کی طرف۔ کیا بھٹو صاحب بھی کسی جماعت کے ورکر تھے؟ نہیں بھٹو صاحب ایک جاگیردار خاندان کے فرزند تھے۔ باہر سے تعلیم حاصل کرکے آئے اور آتے ہوا یہ خان کے مارشل لاء میں براہ راست وزیر بنے۔

"ڈائریکٹ انٹری" ہوتی ہے اگلی ساری سیاسی شخصیت اور سیاسی شہرت قد و قامت مارشل لاء دور کی ہے۔

دونوں حضرات کی مثال میں اس طرح دونگا کہ وہ فوجی ڈکٹیٹروں کے بہت قریب رہے۔ بھٹو، لیفٹیننٹ مارشل ایوب خان کو ڈیڈی کہتے تھے۔ اس حد تک آپ سب کو پتہ ہوگا۔ جس وقت پاکستان کے اندر تمام سیاسی قوتیں مل کر پاکستان حضرت قائداعظم کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کو سپورٹ کر رہی تھیں، اس وقت بھٹو صاحب، ایوب خان کی سیاسی الیکشن مہم کے انچارج تھے اور اس دھاندلی میں سارا دماغ بھٹو صاحب کا استعمال ہوا تھا۔ ہم اپنے آپکو کس طرح کس طرح دھوکہ دے سکتے ہیں کہ یہ کہیں کہ پیپلز پارٹی

عوامی سیاسی جماعت ہے۔ ہاں بھٹو صاحب مقبول عوامی رہنما بنے لیکن عوام میں سے نہیں آئے۔ جہاں تک میاں نواز شریف کی بات ہے تو انہیں جنرل ضیاء الحق نے اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ پاکستان کی جو دو بڑی سیاسی جماعتیں ہیں، وہ مارشل لاء کی گود میں پیدا ہوئیں۔ انکی سیاسی تربیت اسی دور میں ہوئی ہے۔ پاکستان میں تو ابھی تک صحیح سیاسی جماعتوں کو پنپنے ہی نہیں دیا گیا ہے۔ عوام میں سے جو کوئی بھی آیا اسکو مارا گیا۔ انکے خلاف آپریشن کیا گیا جو بچ جاتے ہیں، ایم کیو ایم کی طرح، وہ باقی رہ جاتے ہیں لیکن بہت کم لوگ ہیں جنہوں نے لوئر مڈل کلاس اور مڈل کلاس سے نکل کر صحیح بنیاد پر سیاست کرنے کی کوشش کی اور وہ نہیں کرسکے۔ مجھے اندازہ ہے کہ میرا جواب بہت طویل ہوگیا ہے لیکن آپ نے ایسے موضوع پہ بات چھیڑی کہ جسے مختصر بیان کرنا ممکن نہ تھا۔

ہندوستان میں آج تک کسی بھی شکل میں جمہوریت اسلئے ہے کہ وہاں سب سے پہلے جاگیردارانہ نظام کو ختم کیا گیا تھا۔ ہم دنیا کے ان ایک یا دو بدنصیب ملکوں میں ہیں کہ جو اٹھارویں صدی کے اس "آؤٹ آف ڈیٹ" نظام کے ساتھ ابھی تک چل رہے ہیں۔ ہم اس نظام کے ساتھ اکیسویں صدی کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتے اور اسکے ساتھ ہی یہ نظام عوامی اقتداری بھی پورا نہیں کرسکتا۔

طارق صدیقی:۔ کیا پاکستان کی سیاست میں لیڈر شپ کا فقدان ہے کہ جو بار بار وہی چہرے جمہوریت کی عکاسی کرتے ہیں.....؟

خالد مقبول صدیقی:۔ پاکستان میں کوئی سیاسی جماعت بننے ہی نہیں دی گئی۔ پاکستان میں ایسٹبلشمنٹ کو پورے ملک پر قبضہ کرنے کے لیے دو چیزوں سے خطرہ تھا۔ ایک بنگال کی Quantity سے (تعداد سے) اور دوسرا ہندوستان سے ہجرت کرنے والوں کی Quality سے۔ اس صورتحال کے پیش نظر ایسٹبلشمنٹ نے سوچا کہ اگر ایسا ہی رہا تو نظام

آگے کی طرف بڑھے گا اور جمہوریت پھلے پھولے گی اور اس بات کا خطرہ تھا کہ جمہوریت میں آگے کے دروازے پر آکر کھڑی ہو جائیگی اور جب جمہوریت آکر کھڑی ہوگی پاکستان کا اقتدار پاکستان کے اکثریتی صوبے بنگال کی طرف منتقل ہو جائیگا تو انہوں نے اسکو جڑ سے ہی الگ کردیا اور یہ کام اس قدر بے دردی سے کیا کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ بنگال کی Quantity کو اپنے سے جدا کیا اور سمجھوتا کیا اب باقی ماندہ پاکستان میں ان کو اگر کوئی خطرہ ہے تو وہ ان لوگوں کی Quality سے جو ہندوستان سے ہجرت کرکے آئے ہیں۔ اس معیار کو ختم کرنے کے لیے، جن لوگوں نے پاکستان میں آکر بیٹھ کر، اداروں، تعلیمی ادارے کارخانے قائم کئے، بڑا سپورٹ کا نظام بھترکیا، انہوں نے بے جا تعلیمی ادارے بنائے، بنچر ایرئیز کے نام پر وہ ساری چیزیں، ان سے چھین لی گئیں اور پھر ان چیزوں کو "پریفرینشل ایرئیز" اور "ڈی نیشنلائزیشن" کے نام پر ایسٹبلشمنٹ نے اپنے پیاروں کے حوالے کر دیا۔ ناگزیر وجوہات کو دور کرنے کے بعد ایسٹبلشمنٹ یہ سمجھتی ہے کہ وہ کامیاب ہوگئی ہے لیکن اسکو یہ اندازہ نہیں ہے کہ جس شاخ پر بیٹھی ہے، اسے کاٹ رہی ہے۔ جب یہ ملک ہی نہیں بچے گا تو ایسٹبلشمنٹ کا اقتدار کہاں سے بچے گا۔

طارق صدیقی:۔ ایک طرف تو آپ نظام کی تبدیلی کی بات کرتے ہیں تو کیا آپ نوجوان قیادت کے حق میں ہیں؟

خالد مقبول صدیقی:۔ نوجوان قیادت کا فلسفہ "ایم کیو ایم" نے ہی پیش کیا ہے۔ 1990 کی جو اسمبلی تھی تو میں اس وقت پاکستانی کی تاریخ کا سب سے کم عمر ممبر اسمبلی تھا۔ ایک بڑی تعداد اس زمانے میں نوجوان "ایم کیو ایم" کی اسمبلیوں میں پہنچی تھی۔ اس وقت ایک بحث چھڑی تھی کہ ارکان اسمبلی بالکل ہی جوان سال ہیں تو میں نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے جواب دیا تھا کہ اسمبلی میں اگر پرویز علی گوہر شاہ بیٹھے ہیں تو اپنی وجہ سے نہیں بلکہ پیر پگارا کی سیاسی خاندان کی نمائندگی کر رہے ہیں، بے نظیر بھٹو بیٹھی ہیں تو بھٹو صاحب کی وجہ سے بیٹھی ہیں اور اگر آصف زرداری ہیں تو بے نظیر سے رشتہ داری کے سبب یہاں ہیں۔ اگر مرتضیٰ جتوئی بیٹھے ہیں تو جتوئی خاندان کی نمائندگی کر رہے ہیں، اسی طرح آپ نظر دوڑاتے جائیں اور گنتے جائیں کہ ایک نوجوان قیادت تو یہ ہے جو کہ اپنے خاندان کی نمائندگی کر رہی ہے۔ جمہوریت خاندان کی نمائندگی کا نام نہیں۔ کسی بھی تعلیم یافتہ مہذب ملک میں سیاست میں آپ اپنے اصولوں، کردار اور تجربات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ خاندانوں کی نمائندگی نہیں ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں موروثی سیاست ہے جو کہ جاگیردارانہ نظام کی شاخ ہے اور آپ جس نوجوان قیادت کا ذکر کر رہے ہیں، جس سے یہ ملک خوفزدہ ہے وہ تو مڈل کلاس سے نکل کر آتے ہیں اور عوام نے ان کو منتخب کرکے اعلیٰ ایوانوں تک پہنچایا اور اہم منصب پہ پہنچنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ اس نوجوان قیادت سے عوام کو تو خطرہ نہیں ہوسکتا ہے ہاں نظام کو خطرہ ہوسکتا ہے کیونکہ پاکستان میں جو نظام مسلط ہے کہ عوام دشمن نظام ہے۔

طارق صدیقی:۔ کیا درسگاہوں میں سیاسی گٹھ جوڑ آنے سے 90% طلباء 10% طلباء کے استحصال کا شکار ہو رہے ہیں؟

خالد مقبول صدیقی:۔ ہمیں پہلے یہ سمجھنا ہے کہ سیاست کیا ہے؟ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سیاست عوام دشمنی پر مبنی کوئی حکمت عملی ہے تو جہاں بھی وہ موجود رہے گی نقصان پہنچائے گی، چاہے وہ تعلیمی اداروں میں ہو یا کارخانوں میں۔ اگر سیاست سے آپکی مراد عوامی شعور کو بڑھانے کی کوئی کوشش ہے تو پھر وہ جہاں ہوگی شعور ہی پھیلائے گی۔ اب تعلیمی اداروں کے طلباء جب عملی میدان میں آئینگے اور ملک کی قسمت سنوارینگے تو کسی اکھڑ مزاج آدمی کو شارٹ کرن اسمبلی نہیں بنانا چاہیے جو کسی تعلیمی ادارے میں پڑھ رہا ہو، چاہے وہ ڈاکٹر، انجینئر یا وکیل بن رہا ہو تو وہ اپنے معاشرے سے کٹ کر نہیں رہ سکتا ہے، وہ سب سے باشعور طبقہ ہوتا ہے جو تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اپنے آس پاس ہونے والی ناانصافیوں کو وہ محسوس کرتا ہے اور اسکا اظہار کرتا ہو تو اسکو سیاست کہا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ ایک مثبت عمل ہے۔ اگر تعلیمی اداروں میں جاگیرداروں اور دوسری بڑی سیاسی جماعتوں کی کوئی بغل بچہ جماعتیں وہاں موجود ہونگی تو وہ تو کھلی سیاست ہی پھیلا رہی ہوگی۔ بعض صورتوں میں ایسا ضرور ہوا کہ طاقت کی بنیاد پر موجود قتلوں کو باشعور نوجوانوں نے توڑنے کی کوشش کی تو تصادم پیدا ہوا۔ باشعور قومیں یہ دیکھتی ہیں کہ یہ تصادم جدوجہد کا نتیجہ ہے یا کسی ذاتی لڑائی جھگڑے کا تو نہیں ان دونوں چیزوں کو الگ الگ کرکے دیکھنا چاہیے۔

کراچی کے تعلیمی ادارے ایک زمانے میں یرغمال تھے۔ جب کراچی میں شعور پھیلا اور باشعور نوجوانوں نے یرغمال تعلیمی اداروں کو آزاد کرانے کے لئے کوشش کی تو تشدد ہوا اور جب تشدد کے خلاف مزاحمت کی گئی تو اسکو دہشت گردی کہا گیا

طارق صدیقی:۔ کیا ہماری درسگاہوں کو سیاست سے پاک کرنے ضرورت ہے؟

خالد مقبول صدیقی:۔ سیاست کو اگر آپ شعور کے علاوہ کوئی اور چیز سمجھتے ہیں تو ضرورت ہے اور اگر سیاست عوام کی خواہشات بضروریات اور مسائلکی عکاسی کرنے کا نام ہے تو تعلیمی اداروں کو معاشرے سے کاٹ کر نہیں رکھا جاسکتا ہے۔

خود اپنے لوگوں کے بارے میں جاننا بہت بڑا علم ہے۔

طارق صدیقی:۔ پاکستان میں جمہوریت کامیاب کیوں نہیں ہوتی ہے۔ کوئی بھی حکومت اپنی مدت پوری کیوں نہیں کرتی؟

خالد مقبول صدیقی:۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ پاکستان میں جمہوریت نہیں بلکہ جاگیردارانہ نظام ہے۔ جہاں پر چند اہم

پاکستان میں ایسٹبلشمنٹ کو پورے ملک پر قبضہ کرنے کے لیے دو چیزوں سے خطرہ تھا۔ ایک بنگال کی Quantity سے (تعداد سے) اور دوسرا ہندوستان سے ہجرت کرنے والوں کی Quality سے

دو مارشل لاء کے ہی گود میں پیدا ہوئیں۔ انکی سیاسی تربیت اسی دور میں ہوئی ہے۔ پاکستان میں تو ابھی تک صحیح سیاسی جماعتوں کو پنپنے ہی نہیں دیا گیا ہے۔ جہاں پر چند اہم

ہندوستان میں آج تک کسی بھی شکل میں جمہوریت اسلئے ہے کہ وہاں سب سے پہلے جاگیردارانہ نظام کو ختم کیا گیا تھا۔ ہم دنیا کے ان ایک یا دو بدنصیب ملکوں میں ہیں کہ جو اٹھارویں صدی کے اس "آؤٹ آف ڈیٹ" نظام کے ساتھ ابھی تک چل رہے ہیں

پاکستان میں آج تک کسی بھی شکل میں جمہوریت اسلئے ہے کہ وہاں سب سے پہلے جاگیردارانہ نظام کو ختم کیا گیا تھا۔ ہم دنیا کے ان ایک یا دو بدنصیب ملکوں میں ہیں کہ جو اٹھارویں صدی کے اس "آؤٹ آف ڈیٹ" نظام کے ساتھ ابھی تک چل رہے ہیں۔ ہم اس نظام کے ساتھ اکیسویں صدی کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتے اور اسکے ساتھ ہی یہ نظام عوامی اقتداری بھی پورا نہیں کرسکتا۔

طارق صدیقی:۔ کیا پاکستان کی سیاست میں لیڈر شپ کا فقدان ہے کہ جو بار بار وہی چہرے جمہوریت کی عکاسی کرتے ہیں.....؟

خالد مقبول صدیقی:۔ پاکستان میں کوئی سیاسی جماعت بننے ہی نہیں دی گئی۔ پاکستان میں ایسٹبلشمنٹ کو پورے ملک پر قبضہ کرنے کے لیے دو چیزوں سے خطرہ تھا۔ ایک بنگال کی Quantity سے (تعداد سے) اور دوسرا ہندوستان سے ہجرت کرنے والوں کی Quality سے۔ اس صورتحال کے پیش نظر ایسٹبلشمنٹ نے سوچا کہ اگر ایسا ہی رہا تو نظام

آگے کی طرف بڑھے گا اور جمہوریت پھلے پھولے گی اور اس بات کا خطرہ تھا کہ جمہوریت میں آگے کے دروازے پر آکر کھڑی ہو جائیگی اور جب جمہوریت آکر کھڑی ہوگی پاکستان کا اقتدار پاکستان کے اکثریتی صوبے بنگال کی طرف منتقل ہو جائیگا تو انہوں نے اسکو جڑ سے ہی الگ کردیا اور یہ کام اس قدر بے دردی سے کیا کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ بنگال کی Quantity کو اپنے سے جدا کیا اور سمجھوتا کیا اب باقی ماندہ پاکستان میں ان کو اگر کوئی خطرہ ہے تو وہ ان لوگوں کی Quality سے جو ہندوستان سے ہجرت کرکے آئے ہیں۔ اس معیار کو ختم کرنے کے لیے، جن لوگوں نے پاکستان میں آکر بیٹھ کر، اداروں، تعلیمی ادارے کارخانے قائم کئے، بڑا سپورٹ کا نظام بھترکیا، انہوں نے بے جا تعلیمی ادارے بنائے، بنچر ایرئیز کے نام پر وہ

ساری چیزیں، ان سے چھین لی گئیں اور پھر ان چیزوں کو "پریفرینشل ایرئیز" اور "ڈی نیشنلائزیشن" کے نام پر ایسٹبلشمنٹ نے اپنے پیاروں کے حوالے کر دیا۔ ناگزیر وجوہات کو دور کرنے کے بعد ایسٹبلشمنٹ یہ سمجھتی ہے کہ وہ کامیاب ہوگئی ہے لیکن اسکو یہ اندازہ نہیں ہے کہ جس شاخ پر بیٹھی ہے، اسے کاٹ رہی ہے۔ جب یہ ملک ہی نہیں بچے گا تو ایسٹبلشمنٹ کا اقتدار کہاں سے بچے گا۔

طارق صدیقی:۔ ایک طرف تو آپ نظام کی تبدیلی کی بات کرتے ہیں تو کیا آپ نوجوان قیادت کے حق میں ہیں؟

خالد مقبول صدیقی:۔ نوجوان قیادت کا فلسفہ "ایم کیو ایم" نے ہی پیش کیا ہے۔ 1990 کی جو اسمبلی تھی تو میں اس وقت پاکستانی کی تاریخ کا سب سے کم عمر ممبر اسمبلی تھا۔ ایک بڑی تعداد اس زمانے میں نوجوان "ایم کیو ایم" کی اسمبلیوں میں پہنچی تھی۔ اس وقت ایک بحث چھڑی تھی کہ ارکان اسمبلی بالکل ہی جوان سال ہیں تو میں نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے جواب دیا تھا کہ اسمبلی میں اگر پرویز علی گوہر شاہ بیٹھے ہیں تو اپنی وجہ سے نہیں بلکہ پیر پگارا کی سیاسی خاندان کی نمائندگی کر رہے ہیں، بے نظیر بھٹو بیٹھی ہیں تو بھٹو صاحب کی وجہ سے بیٹھی ہیں اور اگر آصف زرداری ہیں تو بے نظیر سے رشتہ داری کے سبب یہاں ہیں۔ اگر مرتضیٰ جتوئی بیٹھے ہیں تو جتوئی خاندان کی نمائندگی کر رہے ہیں، اسی طرح آپ نظر دوڑاتے جائیں اور گنتے جائیں کہ ایک نوجوان قیادت تو یہ ہے جو کہ اپنے خاندان کی نمائندگی کر رہی ہے۔ جمہوریت خاندان کی نمائندگی کا نام نہیں۔ کسی بھی تعلیم یافتہ مہذب ملک میں سیاست میں آپ اپنے اصولوں، کردار اور تجربات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ خاندانوں کی نمائندگی نہیں ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں موروثی سیاست ہے جو کہ جاگیردارانہ نظام کی شاخ ہے اور آپ جس نوجوان قیادت کا ذکر کر رہے ہیں، جس سے یہ ملک خوفزدہ ہے وہ تو مڈل کلاس سے نکل کر آتے ہیں اور عوام نے ان کو منتخب کرکے اعلیٰ ایوانوں تک پہنچایا اور اہم منصب پہ پہنچنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ اس نوجوان قیادت سے عوام کو تو خطرہ نہیں ہوسکتا ہے ہاں نظام کو خطرہ ہوسکتا ہے کیونکہ پاکستان میں جو نظام مسلط ہے کہ عوام دشمن نظام ہے۔

طارق صدیقی:۔ کیا درسگاہوں میں سیاسی گٹھ جوڑ آنے سے 90% طلباء 10% طلباء کے استحصال کا شکار ہو رہے ہیں؟

خالد مقبول صدیقی:۔ ہمیں پہلے یہ سمجھنا ہے کہ سیاست کیا ہے؟ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سیاست عوام دشمنی پر مبنی کوئی حکمت عملی ہے تو جہاں بھی وہ موجود رہے گی نقصان پہنچائے گی، چاہے وہ تعلیمی اداروں میں ہو یا کارخانوں میں۔ اگر سیاست سے آپکی مراد عوامی شعور کو بڑھانے کی کوئی کوشش ہے تو پھر وہ جہاں ہوگی شعور ہی پھیلائے گی۔ اب تعلیمی اداروں کے طلباء جب عملی میدان میں آئینگے اور ملک کی قسمت سنوارینگے تو کسی اکھڑ مزاج آدمی کو شارٹ کرن اسمبلی نہیں بنانا چاہیے جو کسی تعلیمی ادارے میں پڑھ رہا ہو، چاہے وہ ڈاکٹر، انجینئر یا وکیل بن رہا ہو تو وہ اپنے معاشرے سے کٹ کر نہیں رہ سکتا ہے، وہ سب سے باشعور طبقہ ہوتا ہے جو تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اپنے آس پاس ہونے والی ناانصافیوں کو وہ محسوس کرتا ہے اور اسکا اظہار کرتا ہو تو اسکو سیاست کہا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ ایک مثبت عمل ہے۔ اگر تعلیمی اداروں میں جاگیرداروں اور دوسری بڑی سیاسی جماعتوں کی کوئی بغل بچہ جماعتیں وہاں موجود ہونگی تو وہ تو کھلی سیاست ہی پھیلا رہی ہوگی۔ بعض صورتوں میں ایسا ضرور ہوا کہ طاقت کی بنیاد پر موجود قتلوں کو باشعور نوجوانوں نے توڑنے کی کوشش کی تو تصادم پیدا ہوا۔ باشعور قومیں یہ دیکھتی ہیں کہ یہ تصادم جدوجہد کا نتیجہ ہے یا کسی ذاتی لڑائی جھگڑے کا تو نہیں ان دونوں چیزوں کو الگ الگ کرکے دیکھنا چاہیے۔

کراچی کے تعلیمی ادارے ایک زمانے میں یرغمال تھے۔ جب کراچی میں شعور پھیلا اور باشعور نوجوانوں نے یرغمال تعلیمی اداروں کو آزاد کرانے کے لئے کوشش کی تو تشدد ہوا اور جب تشدد کے خلاف مزاحمت کی گئی تو اسکو دہشت گردی کہا گیا

طارق صدیقی:۔ کیا ہماری درسگاہوں کو سیاست سے پاک کرنے ضرورت ہے؟

خالد مقبول صدیقی:۔ سیاست کو اگر آپ شعور کے علاوہ کوئی اور چیز سمجھتے ہیں تو ضرورت ہے اور اگر سیاست عوام کی خواہشات بضروریات اور مسائلکی عکاسی کرنے کا نام ہے تو تعلیمی اداروں کو معاشرے سے کاٹ کر نہیں رکھا جاسکتا ہے۔

خود اپنے لوگوں کے بارے میں جاننا بہت بڑا علم ہے۔

طارق صدیقی:۔ پاکستان میں جمہوریت کامیاب کیوں نہیں ہوتی ہے۔ کوئی بھی حکومت اپنی مدت پوری کیوں نہیں کرتی؟

خالد مقبول صدیقی:۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ پاکستان میں جمہوریت نہیں بلکہ جاگیردارانہ نظام ہے۔ جہاں پر چند اہم

پاکستان میں آج تک کسی بھی شکل میں جمہوریت اسلئے ہے کہ وہاں سب سے پہلے جاگیردارانہ نظام کو ختم کیا گیا تھا۔ ہم دنیا کے ان ایک یا دو بدنصیب ملکوں میں ہیں کہ جو اٹھارویں صدی کے اس "آؤٹ آف ڈیٹ" نظام کے ساتھ ابھی تک چل رہے ہیں

پاکستان میں آج تک کسی بھی شکل میں جمہوریت اسلئے ہے کہ وہاں سب سے پہلے جاگیردارانہ نظام کو ختم کیا گیا تھا۔ ہم دنیا کے ان ایک یا دو بدنصیب ملکوں میں ہیں کہ جو اٹھارویں صدی کے اس "آؤٹ آف ڈیٹ" نظام کے ساتھ ابھی تک چل رہے ہیں۔ ہم اس نظام کے ساتھ اکیسویں صدی کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتے اور اسکے ساتھ ہی یہ نظام عوامی اقتداری بھی پورا نہیں کرسکتا۔

طارق صدیقی:۔ کیا پاکستان کی سیاست میں لیڈر شپ کا فقدان ہے کہ جو بار بار وہی چہرے جمہوریت کی عکاسی کرتے ہیں.....؟

خالد مقبول صدیقی:۔ پاکستان میں کوئی سیاسی جماعت بننے ہی نہیں دی گئی۔ پاکستان میں ایسٹبلشمنٹ کو پورے ملک پر قبضہ کرنے کے لیے دو چیزوں سے خطرہ تھا۔ ایک بنگال کی Quantity سے (تعداد سے) اور دوسرا ہندوستان سے ہجرت کرنے والوں کی Quality سے۔ اس صورتحال کے پیش نظر ایسٹبلشمنٹ نے سوچا کہ اگر ایسا ہی رہا تو نظام

آگے کی طرف بڑھے گا اور جمہوریت پھلے پھولے گی اور اس بات کا خطرہ تھا کہ جمہوریت میں آگے کے دروازے پر آکر کھڑی ہو جائیگی اور جب جمہوریت آکر کھڑی ہوگی پاکستان کا اقتدار پاکستان کے اکثریتی صوبے بنگال کی طرف منتقل ہو جائیگا تو انہوں نے اسکو جڑ سے ہی الگ کردیا اور یہ کام اس قدر بے دردی سے کیا کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ بنگال کی Quantity کو اپنے سے جدا کیا اور سمجھوتا کیا اب باقی ماندہ پاکستان میں ان کو اگر کوئی خطرہ ہے تو وہ ان لوگوں کی Quality سے جو ہندوستان سے ہجرت کرکے آئ